

بسم الله الرحمن الرحيم

## نظرات

پچھلے مہینہ یعنی محرم ۱۳۹۳ھجری (فروری ۱۹۷۴ء) کا سب سے اہم واقعہ لاہور میں مسلم حکومتوں کے سربراہوں کا اجتماع ہے۔ یہ کانفرنس ۳۰ محرم (بـطابق ۲۲ فروری) کو شروع ہوئی اور تین روز تک جاری رہی، اس میں ۳۲ مسلم حکومتوں کے سربراہوں یا ان کے نمائندوں نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس سربراہوں کی دوسری کانفرنس تھی، پہلی کانفرنس ۲۲ ستمبر ۱۹۶۹ء کو بمقام ریاض منعقد ہوئی تھی اس میں ۲۵ ممالک نے شرکت کی تھی۔ ریاض کانفرنس کے بعد سے مسلم ممالک کے وزرائے خارجہ کا کئی بار اجتماع ہو چکا ہے۔ اس سلسلہ میں آخری اجتماع ۲۵ مارچ ۱۹۷۳ء کو بنگازی (لیبیا) میں ہوا تھا جس میں ۲۶ ممالک نے شرکت کی تھی۔

لاہور کی حالیہ کانفرنس شریک ممالک کی تعداد، اور دوسرے بہت سے وجودہ سے سب سے بڑی اور سب سے زیادہ اہم کانفرنس تھی۔ اس سے قطع نظر کہ اس کانفرنس میں کیا کیا تجاویز منظور کی گئیں، خود اس بات ہی کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ مسلم ممالک کے سربراہ ایک جگہ پر بیٹھ کر اپنے مامنے آنے والی مسائل پر غور کریں اور سوچیں کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ پر خلوص تعاون کر کے امن عالم کی کس قدر عظیم اور بے مثال خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ کیا اس طریقہ کار اور اس خط فکر کو عالمی مسائل کے حل کرنے میں کچھ کم اہمیت حاصل ہے؟ دنیا میں آزاد مسلم ممالک کی تعداد ۵۵ ہے اگر یہ لوگ عزم صمیم کر لیں کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ اسلامی اخوت، باہمی تعاون اور صلح و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کریں گے تو امن عالم کی اس سے بڑھ کر اور کیا خدمت ہو سکتی ہے۔

ادارہ اقوام متحد کی تنظیم جنگ و جدال، قتل و خوریزی اور تباہی و بربادی سے تنگ آنے کے بعد ۱۹۴۵ء کے منشور کے بموجب عمل میں آئی تھی، اور تنظیم کا مقصد قیام امن اور تحفظ امن ہی بتایا گیا تھا۔ اگرچہ اس کے جو لوگ کرتا دھرتا تھے ان کے دلوں کا کھوٹ رنگ لایا اور یہ عالمی ادارہ چند بڑی عالمی طاقتوں کا بازیچہ<sup>۱</sup> ہوس بن کر رہ گیا۔ لیکن مقصد ہمیشہ یہی بتایا گیا کہ ہم حفاظت اس کے لئے کام کر رہے ہیں۔ یہودیوں نے سمجھا کہ یہودی خفیہ پروٹوکول نمبر ۱۵ میں زیر انتداب صیہونیت جس عالمی حکومت کا خواب ۱۸۹۶ء میں دیکھا گیا تھا اس کی تعبیر ادارہ اقوام متحده کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اور ایسا سمجھنے میں انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ ادارہ اقوام متحده کی منظورہ تجاویز اور اس کے کارناسی دنیا کی مختلف زبانوں میں بہ کثرت ملتے ہیں۔ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ صرف ایک ہی اہم تجویز ایسی ملے گی جس پر بڑی عالمی طاقتوں کا اتفاق ہے۔ اور وہ تجویز ہے فلسطین میں یہودی حکومت کے قیام کی تجویز و تائید۔ اور آجکل تو ادارہ اقوام متحده کے موجودہ سکریٹری جنرل بھی ایک یہودی مدیر ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ ادارہ اقوام متحده کو پروٹوکول نمبر ۱۵ کے خواب کی تعبیر قرار دینے میں یہودیوں نے کوئی غلطی کی تھی۔

ادارہ اقوام متحده کی تنظیم کرنے والوں کے دلوں میں کیا چھپا تھا، اس کے اثرات تو پچھلے تیس سال سے دنیا دیکھہ ہی رہی ہے، البتہ یہ امید قائم کرنے میں دنیا حق بجانب ہے کہ دو تین سال قبل نقلی چین کے بجائے اصلی چین ادارہ اقوام متحده کا رکن ہو گیا ہے، اس لئے شاید اس میں کچھ نہ کچھ تبدیلی رونما ہو جائے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاستیں کے گرگان باران دیدہ چین کی آواز کو بزم شغالان میں پیانو کی آواز بنانے کی سعی سے باز نہیں آئیں گے۔

بہرحال ! ادارہ اقوام متحده نے اپنے منشور میں جس مقصد عظیم کا اعلان کیا ہے - اس کی سب سے زیادہ موثر اور مفید خدمت مسلم سربراہان مملکت انجام دے رہے ہیں - اور حق یہ ہے کہ ان کو یہ خدمت انجام دینی ہی چاہئیے - اورون کے لئے قیام امن کا دعویٰ یا اس کی تدبیر ملکی و عالمی مصالح کی فہرست میں آتا ہے لیکن ایک مسلمان کے لئے تو یہ اس کا مذہبی و ایمانی فرضیہ ہے کہ آپس میں صلح و آشتی، باہمی تعاون اور ایسی یکجہتی قائم رکھئے تاکہ سارے فتنے اور بدامیں اس کے مقابلہ میں دب جائیں، اور اللہ کی زمین پر امن و امان قائم ہو جائے -

حج بیت اللہ اسلام کا پانچواں رکن ہے - اس کے روحانی فواید جو حج کرنے والوں کو انفرادی طور پر حاصل ہوتے ہیں یقیناً بہت بڑے اور عظیم الشان فواید و برکات ہیں - لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ایک بے مثال سالانہ اجتماع بھی تو ہے جس سے مسلمان باہمی تعاون اور یکجہتی پیدا کر کے امن عالم کی موثر خدمت انجام دے سکتے ہیں - کاش کہ مسلمان اجتماع حج سے یہ فائدہ بھی حاصل کرتے -

ویسے تو مسلمان ہمیشہ ہی سے یہ سوچتے رہے ہیں کہ دنیا میں قیام امن کی خدمت انجام دینے کے لئے مسلمانوں کو آپس میں متعدد ہو کر ایک آواز ہو جانا چاہئیے - دنیا کے کسی خطہ کے مسلمان سے پوچھ کر دیکھ لیجئے ہر جگہ کے عامة المسلمين ایسے اتحاد کو ایک فرضیہ ہی سمجھتے ہیں لیکن بدقدسمتی سے قیادت اکٹھ و بیشتر ایسے تنگ نظر مناقوں اور بدکردار فاسقوں کے ہاتھوں میں آتی رہی کہ وہ اپنے ذاتی، خاندانی اور مقامی مقادات پر اسلامی تعلیمات کو قربان کرتے رہے - ۱۹۳۵ء کے بعد سے یورپ کا مستعمراتی نظام اپنے طویل سکرات الموت کے بعد دم تؤڑنے لگا۔ ایشیا اور افریقہ کے ممالک آزاد ہونے لگے - اور ان ممالک میں زیادہ تر مسلم ممالک ہیں - اس وقت

اتحاد کا یہ خیال بھی تیز تر ہونے لگا۔ عوامی سطح پر کچھ نہ کچھ لوگ  
ہر جگہ اس کے لئے بولنے، لکھنے اور جماعتیں قائم کرنے لگے۔ یورپ کے  
امامان سیاست کو اور خصوصیت کے ساتھ یہودیوں کو اس کا خطروہ پہلے ہی سے  
تھا۔ انہوں نے اس کے خلاف تدبیریں کیں، کہیں ایک علاقہ کو دوسرے  
علاقہ کے خلاف تیار کیا، چھوٹی چھوٹی مالک بنائے، اور کہیں علاقائی  
و نسلی تنظیمیں قائم کیں، اور عالم اسلام کے عین قلب میں یہودیوں کی  
حکومت اسرائیل کا ناسور پیدا کر دیا۔ حکومت برطانیہ نے یہاں پہنچنے سے  
پر چڑھائی کر کے اسے کمزور کیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۶۷ء کے چون میں یہودیوں  
نے مصر، شام اور اردن پر حملہ کر کے ان کا بہت سا علاقہ دبا لیا۔ یہودی اگر  
یہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے؟ ان کی حکومت قائم تو کر دی گئی مگر اس  
حکومت کے پاس رقبہ زیین صرف چار ہزار مربع میل تھا، اور منصوبہ تھا  
دنیا کے دو کروڑ یہودیوں کو وہاں بسانے کا۔ ظاہر ہے کہ زمین ریڑ نہیں ہے  
کہ اسے کھینچ کر بڑا کر لیں۔ اس لئے یہودیوں کا یہ منصوبہ پہلے بھی تھا  
اور اب بھی ہے کہ گردوبیش کے علاقے، لبنان، مصر، شام، اردن اور سعودی  
عرب سے لے کر اپنے منصوبہ کی تکمیل کر لیں۔ یہ کام بغیر جنگ و خونریزی  
کے کہاں مسکن ہے؟ اگر اس کام کے صرف مال و دولت کے ذریعہ ہو جانے  
کی امید ہوتی تو یہودیوں کے لئے مال کی کوئی کمی نہ تھی۔ لیکن ظاہر ہے  
کہ یہ مقصد صرف جنگ ہی کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لئے حکومت  
اسرائیل ہر وقت امدادہ پیکار رہتی ہے۔ اور ہمیشہ رہے گی۔ ادارہ اقوام متحدہ  
ابھی تک امریکہ کا خانہ زاد ادارہ ہے، اس سے جنگ و جدال کو روکنے کی  
امید کو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ع

садگی تو دل نادان کی دیکھئے کوئی  
اس کو قاتل ہی سے امید وفاداری ہے

۱۹۶۲ء کی جنگ اسرائیل کے بعد سے دو سال تک مسلمانوں کو مختلف تجاویز اور گفت و شنید کے پہندوں میں الجھائی رکھا گیا تاکہ اتنی مدت میں اسرائیل کی حکومت اپنے جدید مخصوصہ علاقوں میں زیادہ مضبوط قدم جمالے۔ لیکن تابہ کے؟ اب مسلمانوں پر بھی پوری طرح نہ سہی کچھ نہ کچھ راز تو کھلنے ہی لگا تھا۔ اس وقت انھیں نظر آیا کہ حب، تک خود مسلمان ایک دل نہ ہو جائیں قیام امن کی امید پوری نہیں ہو سکتی۔ اس طرح پہلی مسلم سربراہ کانفرنس ۲۲ ستمبر ۱۹۶۹ء کو (المغرب) کے دارالحکومت شهر الرباط میں ہوئی جس میں ۲۵ مسلم ممالک نے شرکت کی۔ اس کے بعد سے مسلم ممالک کے وزارتی سطح پر سات اجتماعات ہو چکے ہیں اور کسی نہ کسی انداز میں مسلمانوں کے مابین اتحاد کو ضروری سمجھو کر کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ہے۔ اب لاہور میں دوسری کانفرنس ہوئی ہے اور اب تک کے ہر اجتماع سے زیادہ وسیع پیمانہ پر ہوئی ہے۔ اللہ کریم کہ اب اس کے بعد مسلمان کوئی مضبوط عملی قدم بھی انہائیں۔

اکثر مسلمان ممالک ابھی ابھی آزاد ہوئے ہیں۔ غیر ترقی یافتو ہیں اور عددی طاقت کے سوا ابھی ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن ان ساری واماندگیوں کے باوجود یہ اگر عزم صمیم کے ساتھ کوئی اقدام کریں اور صرف عدم تعاون سے بھی کام لے سکیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو جو بدامنی پیدا کرنے میں اپنا جواب نہ رکھتی ہو، اپنا وظیفہ بدلنا ہی پڑے گا۔ ہر ملک کے مسلم عوام تکلیفیں جھیل کر، مصیبتوں برداشت کر کے اور ہر طرح کی قربانیاں پیش کر کے بیت المقدس کو یہودیوں سے آزاد کرانے کے لئے بلکہ وسیع پیمانہ پر امن عالم کی خدمت بجالانے کے لئے تیار ہیں، لیکن سوال ہے صرف ان قائدین، زعماء اور باختیار حضرات کا جن کے ہاتھوں میں اقتدار ہے، کیا وہ بھی یورپ و امریکہ کے تفریحی سامان سے دور رہ کر قوم کی خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہیں؟ اگر ہیں اور ہم کو یہ امید رکھنی ہی چاہئیے کہ

اب شاید تیار ہو جائیں تو پھر دنیا میں امن قائم ہو جائے گا۔ اور مسلمانوں ہی کے اتحاد و اتفاق سے یہ امن قائم ہو سکتا ہے ولسن کے چودہ نکات اور روزولٹ کا منشور دونوں ہی ناکام ثابت ہو چکے۔ اب ان سے کوئی امید وابستہ نہیں کی جاسکتی

کسی ذمہدار، اہم اور فعال جماعت کے لئے یہ ناممکن نہیں ہے کہ وہ اپنا لائحہ عمل تفصیل کے ساتھ تجویز کی شکل میں پیش کر سکے۔ اور جو کچھ تجویز میں پیش کیا جاتا ہے اس کی حیثیت بھی مخفی تجویز ہی کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد ارادہ اور عزم اور اس کے بعد عمل کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اور جب تک تجویز عمل میں نہ آجائے اس وقت تک اس کے اچھے یا برسے اثرات بھی نہیں پیدا ہوتے۔ حکیم شیراز نے کیا خوب کہا ہے۔

نیا ساید مشام از طبلہ عود

بر آتش نہ کہ چون عنبر بیوید

هم امید کرتے ہیں کہ مسلم حکومتوں کے یہ سربراہ جو مخلصانہ طور پر مسلمانوں کی سود بہبود سوچنے کے لئے اس کانفرنس میں جمع ہوئے تھے۔ جلد از جلد اپنی تجویز کو عملی شکل دیں گے۔ ایک قابل ذکر بات تو یہ ہوئی کہ پاکستان اور بنگلہ دیش کا قضیہ ان کی مساعی سے کسی نہ کسی صورت میں طے ہو گیا۔ اور ہماری دعا ہے کہ وہ اس عمل خیر میں کامیاب ہوں، ہر ملک کے عام مسلمان ان کی چشم و ابرو کے اشارے کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ ان کی قیادت میں وہ سب کچھ کر گزرنے کے لئے تیار ہیں جو آج دنیا والوں کو ناممکن نظر آ رہا ہے، یہ وہی قوم ہے ع

کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا

اگر عوام کے دلوں کی تپش قیادت کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے تو کوئی زنجیر نہیں اور کوئی آہنی کثیرہ کثیرہ نہیں، اس کی تپش سے سب پگھل کر پانی کی طرح بھے جائیں گے۔ خدا کرے کہ ع

چشم اقوام پہ نظارہ اب تک دیکھئے

رفعت شان رفتنا لک ذکر ک دیکھئے

پاکستان نے بیزبان بھائی کی حیثیت سے لاہور کانفرنس کے لئے جو  
تیاریاں کیں اور وزیر اعظم سے لے کر ایک عام پاکستانی مسلمان نے جس  
خلوص کے ساتھ اتنے بڑے پیمانہ پر انتظامات کئے وہ هر طرح قابل تعریف و لائق  
آفرین تھے۔ اس سلسلہ میں جناب جسٹس محمد افضل چیمہ صاحب سکریٹری  
وزارت قانون کی شخصی توجہ اور محنت سے صرف چند یوم کے اندر ادارہ تحقیقات  
اسلامی میں دستور پاکستان کا عربی میں ترجمعہ ہوا، طبع کیا گیا شاہوں کے  
شایان شان جلد سازی ہوئی اور صدر و وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے جناب  
سکریٹری صاحب موصوف نے خود سربراہان مملکت کو پیش بھی کر دیا۔  
کوئی ۱۸۳ صفحات کی کتاب کا ۱۰-۱۲ دنوں میں اس طرح تیار ہو جانا  
یقیناً کوئی آسان کام نہ تھا، لیکن الحمد لله کہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

